جناب نور محمد غفاری - ایم - اے

تفسیر اور علمِ تفسیر

معانی

انواع

لوازمات

ضرورت

معنی | تفسیر۔ حرفی مادہ "فسر" سے تفعیل کے وزن پر ہے۔ "فسر" کے معنی بیان (واضح کرنا) اور کشف (کھولنا) کے ہیں۔ اس مادہ "فسر" سے جتنے الفاظ بنتے ہیں۔ ان کے معنی تشریح و توضیح کے ہوتے ہیں۔ اور اسی سے تفسیر ہے۔ کیونکہ اس میں عبارت کو کھول کر معنی کی وضاحت کی جاتی ہے۔

ایک دوسرے قول کے مطابق، تفسیر کا ماخذ "تفسرۃ" ہے۔ تفسرۃ اس قوت کا نام ہے جس کے ذریعہ طبیب مرض کی شناخت کیا کرتا ہے۔ اسی وجہ سے تفسیر کے معنی میں ہر وہ چیز شامل ہے جس سے کسی دوسری چیز پر استدلال کر کے اس کی حقیقت کا ادراک کیا جا سکے۔ اگر بیک وقت فسر اور تفسرۃ دونوں کو تفسیر کا ماخذ قرار دیا جائے تو بھی درست ہے۔ ان دونوں کے معنی اور مفہوم میں نہایت عمدہ تطبیق ممکن ہے۔ مثلاً پہلے لفظ فسر کے معنی بیان اور کشف یا اظہار کے ہیں۔ دوسرا لفظ تفسرۃ اس قوت کیلئے استعمال ہوتا ہے جس کے ذریعے طبیب مرض کی شناخت کرتا ہے۔ اب اگر طبیب سے مراد مفسر لیں تو "تفسرۃ (بمعنی قوت) وہ علمی یا ذہنی قوت ہے جس کی مدد سے وہ قرآنی معارف اور رموز کا پتہ چلاتا ہے۔ اور فسر (بمعنی کشف و بیان) وہ قوتِ استدلال ہے جس کے ذریعے وہ ان معلوم کردہ رموز کی عقدہ کشائی کرتا ہے۔ (واللہ اعلم)

تعریف | سادہ لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ تفسیر سے مراد ہے۔ قرآن مجید کی عبارت کو اس طرح واضح کرنا کہ احکام الٰہیہ معلوم ہو سکیں۔ اور ان پر عمل پیرا ہو کر خداوند قدوس کی رضا حاصل کی جا سکے۔ مگر مختلف علماء امت نے مختلف اوقات میں اپنے اپنے انداز پر علمِ تفسیر کی تعریف کی ہے۔ چونکہ جو کچھ ان سے منقول اور فرمودہ ہے۔ وہی ہمارے علم اور بالخصوص علمِ دین کی اساس ہے۔ لہذا یہاں چند

ایک اقوال ان بزرگانِ امت کے درج کئے جاتے ہیں۔ علامہ زرکشی فرماتے ہیں،

" تفسیر ایسا علم ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب سمجھی جاتی ہے جسے اس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے۔ اور اسی علم کے ذریعے کتاب اللہ کے معانی کا بیان، اس کے احکام کا استخراج اور اس کے حکم کو معلوم کیا جاتا ہے۔ اور اس افہام وتفہیم کے سلسلہ میں علم لغت، علم نحو، علم صرف، علم بیان، علم قراۃ اور علم اصول فقہ سے مدد لی جاتی ہے۔ اور اس میں اسباب نزول اور ناسخ ومنسوخ کی معرفت کی بھی حاجت پیش آتی ہے۔" (البرہان - علامہ محمد بن عبداللہ الزرکشیؒ)

علامہ ابوحیان الاندلسیؒ نے فرمایا،

هُوَ عِلْمٌ يُبْحَثُ عَنْ كَيْفِيَّةِ النُّطْقِ بِأَلْفَاظِ الْقُرْآنِ وَمَدْلُولَاتِهَا وَأَحْكَامِهَا الْإِفْرَادِيَّةِ وَالتَّرْكِيبِيَّةِ وَمَعَانِيهَا الَّتِي تُحْمَلُ عَلَيْهَا حَالَةَ التَّرْكِيبِ وَتَتِمَّاتٍ لِذَٰلِكَ۔ (بحر المحیط)

تفسیر ایک ایسا علم ہے جس میں الفاظ قرآن کی کیفیت نطق، ان کے مدلولات اور احکام افرادیہ اور ترکیبیہ اور ان کے معانی سے بحث کی جاتی ہے۔ جن پر بحالت ترکیب ان الفاظ کو محمول کیا جاتا ہے۔ اور اس بات کے تمامت بھی تفسیر میں داخل ہیں۔

اس تعریف کی تشریح خود حضرت ابوحیانؒ نے ان الفاظ میں کی ہے:

" تفسیر کی تعریف میں ہمارا قول "علم" جنس ہے۔ اور ہمارا یہ قول کہ "يُبْحَثُ فِيهِ مِن كَيْفِيَّةِ النُّطْقِ بِأَلْفَاظِ الْقُرْآنِ" علم قرأت ہے۔ اور ہمارے قول "مَدْلُولَاتِهَا" سے انہی الفاظ کے مدلولات مراد ہے۔ اور یہ علم لغت کا متن ہے۔ جس کی ضرورت اس علم میں پڑتی ہے۔ اور ہم نے "أَحْكَامِهَا الْإِفْرَادِيَّةِ وَالتَّرْكِيبِيَّةِ" اس واسطے کہا ہے کہ یہ قول صرف، بیان اور بدیع کے علوم پر مشتمل ہے۔ اور ہمارا قول " وَمَعَانِيهَا الَّتِي تُحْمَلُ عَلَيْهَا حَالَةَ التَّرْكِيبِ" ان چیزوں کو بھی شامل ہے۔ جن پر وہ لفظ از روئے حقیقت دلالت کر رہا ہے۔ یا از روئے مجاز۔ کیونکہ ترکیب کبھی اپنے ظاہر کے لحاظ سے ایک شئے کی مقتضی ہوتی ہے۔ مگر چونکہ اس کو اس شئے پر محمول کرنے سے کوئی مانع ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ کسی اور شئے پر محمول کر دی جاتی ہے۔ اور اسی بات کا نام مجاز ہے۔ اور ہمارا قول "تَتِمَّاتٍ لِذَٰلِكَ" معرفت نسخ، اسباب نزول اور ایسے قصہ کی شناخت

پر دلالت کرتا ہے۔ جو قرآن کی بعض مبہم باتوں کی توضیح کرتا ہو اور اسی طرح دوسری باتوں کی۔"
(بحوالہ الاتقان فی علوم القرآن نوع ۸۰)

بعض دیگر علماء نے کہا ہے :

"تفسیر اصطلاح میں نزول آیات، شانِ نزول کے علم کو کہا جاتا ہے۔ اور اس بات کے جاننے کو بھی تفسیر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ کہ آیاتِ قرآن کے مکّی و مدنی، محکم و متشابہ ناسخ و منسوخ، خاص و عام، مطلق و مقید، مجمل و مفسّر، حلال و حرام، وعدہ وعید، امر و نہی اور عبرت و امثال ہونے کی ترتیب معلوم ہو۔" (الاتقان نوع ۸۰)

الغرض، تفسیر سے مراد معانی القرآن کی وضاحت اور ان کی منشاء کا بیان ہے۔ یہ بیان قواعدِ عربی کے مطابق آیات کے شانِ نزول، ان کی کیفیت، ان کی سند اور ان کے طرزِ استدلال کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہوگا ـــــــ۔

تفسیر سے ملتا جلتا ایک لفظ "تاویل" ہے۔ اس بات میں علماء اصول کا اختلاف ہے کہ آیا تفسیر اور تاویل ایک ہی مفہوم کے دو رخ ہیں یا ان میں اختلاف ہے۔؟ مگر ہم پہلے ذرا لفظ تاویل پر بحث کرتے ہیں۔ پھر انشاء اللہ ان دونوں کے تطابق اور تضاد پر روشنی ڈالیں گے۔

تاویل | تاویل کی اصل "الاَوَل" ہے۔ جس کے معنی پھیرنا یا لوٹانا، رجوع کرنا، بازگشت وغیرہ ایک دوسرے قول کے مطابق "تاویل کا ماخذ "الاَیَالَۃ" ہے۔ جس کے معنی ہیں سیاست یعنی حکمرانی اور انتظامِ سلطنت، گویا کلام کی تاویل کرنے والے نے اس کا انتظام درست کر دیا۔ اور اس ہی معنی کو اس کی جگہ پہ رکھ دیا۔

اصطلاحاً مراد یہ ہے کہ قرآنِ مجید کی عبارت کا مطلب ظاہر ہے، باطن کیطرف پھیرا جائے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

" تاویل کے معنی ہیں کلام کے کوئی ایسے معنی بیان کئے جائیں جو ظاہری معنی کے خلاف ہوں۔"

(الفوز الکبیر باب چہارم فصل دوم)

تاویل کے اصطلاحی معنی کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اور قرآنِ مجید کے بتائے ہوئے ان سب لغوی معنی کو شامل ہے :

۱۔ تعبیر ۲۔ حقیقت ۳۔ انجام ۴۔ اصل مدعا ۵۔ باطنی مفہوم
۶۔ عملی ثبوت۔

اب ان میں سے ہر ایک کی مثال دیکھئے۔

۱۔ تعبیر ارشاد ہے:

وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۭ (یوسف: ۱۰۰)

اور یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا۔ اور وہ (دونوں) ان (حضرت یوسفؑ) کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے۔ تو انہوں نے کہا اے ابا جان! یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے۔ میرے پروردگار نے (اسے) درست کر دکھایا۔

یہاں اس خواب کی تعبیر بیان کی جا رہی ہے جو یوسف علیہ السلام نے دیکھا تھا۔

۲۔ حجت

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ۔ (یونس: ۳۹)

بلکہ جھٹلایا۔ انہوں نے اس چیز کو جس کا وہ علم نہیں رکھتے تھے۔ اور نہ ان کے پاس اس تحقیق حجت پہنچی تھی۔

۳۔ انجام

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۔ (نساء: ۵۹)

اے ایمان والو! اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جو تم میں صاحب اقتدار ہیں انکی اطاعت کرو۔ اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ پھر اگر تمہارے (اور صاحب اقتدار کے) درمیان کسی بات پر جھگڑا ہو جائے تو اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو ایسے متنازعہ فیہ امور کو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصل کراؤ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور انجام کے اعتبار سے اچھا ہے۔

۴۔ اصل مدعا

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۔ (یوسف: ۶)

اور اس طرح تیرا پروردگار تجھے برگزیدہ کریگا اور تجھے باتوں کی تاویل (اصل مدعا) بتانا سکھائے گا۔

۵۔ باطنی مفہوم

ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا۔ (الکہف: ۸۲)

یہ ہے حقیقت (باطنی مفہوم) اس چیز کی جس (کے نہ جاننے) پر تو صبر نہ کر سکا۔

دراصل اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کی ملاقات اور خضر علیہ السلام کے ان افعال کی اصل حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ جن کی وجہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نہ جان سکے اور انہیں ظاہر پر محمول کر کے حضرت خضر علیہ السلام کو ہر بار ان کے فعل پر ٹوکتے تھے۔ مگر جب حضرت خضر علیہ السلام نے انہیں باطنی مراد بتائی تو مطمئن ہو گئے۔

۶۔ عملی ثبوت

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ۔ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۔ (الاعراف: ۵۲)

کیا وہ نہیں منتظر مگر اس (قیامت) کی حقیقت کے ظاہر ہونے کے۔ تو جس دن اسکی حقیقت ظاہر ہوگی۔ تو وہ لوگ جو پہلے اس (دن) کو بھول چکے تھے، کہیں گے تحقیق آئے تھے ہمارے پاس پروردگار کے رسول حق کے ساتھ۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں:

"یعنی کافر راہ دیکھتے ہیں کہ اس کتاب میں خبر ہے عذاب کی ہم دیکھ لیں کہ ٹھیک پڑے تب قبول کریں۔ سو جب ٹھیک پڑے گی، تو خلاصی کہاں پڑے گی؟ خبر اسی واسطے ہے کہ آگے بچاؤ پکڑیں۔"

اس تفسیر سے یہی مفہوم مترشح ہے۔ کہ وہ قیامت کا عملی ثبوت چاہتے تھے۔

تاویل کا علم ایک بیش بہا ملکہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو تاویل الاحادیث یعنی باتوں کا باطنی مفہوم اور تاویل رؤیا یعنی خوابوں کی تعبیر کی اہلیت عطا کی تھی جس نے انہیں زنداں سے نکال مصر کے سیاہ وسفید کا مالک بنا دیا تھا۔

تفسیر اور تاویل میں فرق

تفسیر اور تاویل کے اس مختصر تعارف کے بعد اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ کیا تفسیر اور تاویل ایک ہی مفہوم و مدعا کے تعبیری الفاظ ہیں یا ان دونوں میں کوئی فرق ہے؟ اس بارے میں سلف صالحین

اختلاف رہا ہے۔ اور تمام علماء دو گروہوں میں بٹے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ا۔ تضاد کے قائل۔ ب۔ تطابق کے قائل۔

ا۔ تضاد کے قائل | اس گروہ کی تعداد بہ نسبت دوسرے کے زیادہ ہے اور ان کے اقوال کا سلسلہ نہایت طویل ہے۔ چند اقوال نقل کئے جاتے ہیں۔

امام راغب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"تفسیر بہ نسبت تاویل کے عام تر چیز ہے۔ اور اس کا زیادہ استعمال مفرد الفاظ میں ہوا کرتا ہے۔ اور تاویل کا استعمال اکثر معانی اور جملوں میں آتا ہے۔ پھر زیادہ تر تاویل کا استعمال کتب الٰہیہ کے بارے میں ہوتا ہے۔ اور تفسیر کو کتب سماویہ اور دوسری تمام کتابوں کے بارے میں استعمال کر لیتے ہیں۔"

گویا تفسیر عام چیز ہے اور تاویل خاص —— ایک اور عالم کا قول ہے:

"تفسیر ایسے لفظ کے بیان کا نام ہے جو صرف ایک ہی پہلو کا حامل ہو مگر تاویل ایک مختلف معانی کے حامل لفظ کو ان ہی معنی میں سے کسی ایک کی طرف لوٹانے کا نام ہے۔ اور یہ چیز دلیلوں سے ظاہر ہوتی ہے۔"

ابو منصور ماتریدیؒ کا قول ہے:

"تفسیر اس یقین کا نام ہے کہ لفظ سے یہی امر مراد ہے۔ اور اللہ تعالیٰ پر اس گواہی دینے کا نام ہے کہ اس نے لفظ سے یہی مراد لی ہے۔ لہذا اگر اس کے لئے کوئی یقینی دلیل قائم ہو تو وہ تفسیر صحیح ہے۔ ورنہ تفسیر بالرائے ہوگی جس کی ممانعت آئی ہے۔ اور تاویل اس کو کہتے ہیں کہ بہت سے احتمالات میں سے کسی ایک کو بغیر یقین اور شہادت الٰہیہ کے ترجیح دی جائے۔"

ابو طالب ثعلبیؒ نے فرمایا:

"تفسیر لفظ کی وضع کو بیان کرنے کا نام ہے۔ حقیقۃً ہو یا مجازاً۔ جیسے "الصراط" کی تفسیر "الطریق" کے ساتھ اور "صیب" کی تفسیر "مَطَر" (بارش) کے ساتھ کرنا اور تاویل لفظ کے اندرونی (مدعا) کی تفسیر کا نام ہے اور یہ "الاَوْل" سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ہیں انجام کار کی طرف رجوع کرنا، لہذا تاویل حقیقت مراد کی خبر دینا ہے اور تفسیر دلیل مراد کی خبر دینا کیونکہ یہ لفظ مراد کو کشف (بیان) کرتا ہے۔ اور کاشف

ہی دلیل ہوتا ہے۔ مثلاً ارشاد باری ہے: "اِنَّ رَبَّکَ لَبِالْمِرْصَادِ"۔ اس کی تفسیر یہ ہے کہ "مرصاد" "رصد" سے ماخوذ ہے۔ اور کہا جاتا ہے "رَصَدْتُہٗ" (میں نے اس کی نگرانی کی اور تاک رکھی۔) اور "مرصاد" "رصد" سے "مفعال" کے وزن پر ہے۔ اور اس آیت کریمہ کی تاویل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قول سے اپنے حکم کی بجاآوری میں سستی کرنے اور اس کے لئے تیار اور مستعد رہنے میں غفلت برتنے کے برے انجام سے خوف دلایا ہے۔ اور قطعی دلیلیں اس لفظ کی لغوی وضع کے خلاف معنیٰ مراد ہونے کا بیان کرنے کی مقتضی ہیں۔"

ابو محمد عبداللہ اصفہانیؒ نے اپنی تفسیر میں اس طرح بیان کیا ہے:

"معلوم رہے کہ علماء کی اصطلاح میں تفسیر سے معانی قرآن کی وضاحت اور ان کی مراد بتانا مقصود ہے۔ عام ازیں کہ لفظ کے اعتبار سے مشکل وغیرہ کی قسم سے ہو یا معنی کے اعتبار سے ظاہر وغیرہ کی قسم سے۔ اور تاویل اکثر جملوں میں ہی ہوتی ہے۔ اور تفسیر کا استعمال یا تو اکثر غریب الفاظ میں ہوتا ہے۔ جیسے "بحیرۃ" "السائبۃ" اور "الوصیلۃ" میں یا کسی وجیز میں بطور شرح کرنے کے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ (البقرہ) نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ دیا کرو۔

میں اور کسی ایسے کلام میں تفسیر کا زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ جو کسی قصہ پر مشتمل ہو اور اس کلام کا سمجھنا اس قصہ کی معرفت کے بغیر ممکن نہ ہو۔ مثلاً:

اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَۃٌ فِی الْکُفْرِ۔ (توبہ۔۳۷) مہینوں کا آگے پیچھے کر دینا بھی کفر کی زیادتی ہے۔

اور دوسرا ارشاد:

لَیْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا۔ نیکی اس کا نام نہیں کہ تم گھروں میں ان کی چھتوں کے راستے سے آؤ۔

اور تاویل کا استعمال کبھی عام طور پر ہوتا ہے۔ اور کبھی خاص امر کے انداز پر جیسے لفظ "کفر" کہ یہ کبھی مطلق جحود کے واسطے بولا جاتا ہے۔ اور کبھی خاص باری عزوجل کے جحود کے بارے میں اس کا استعمال ہوتا ہے۔ یا "ایمان" کا لفظ یہ کہیں مطلق تصدیق کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ اور دوسری جگہ تصدیق حق کے معنی میں، اور یا اس کا استعمال مختلف معانی میں مشترک لفظ میں ہوتا ہے۔ جیسے کہ "وَجَدَ" کا لفظ "الجدۃ"، "الوجد" اور "الوجود" کے

معنی میں بالاشتراک استعمال ہوتا ہے"
ایک اور عالم کا فرمودہ ہے کہ تفسیر کا تعلق روایت سے ہے۔ اور تاویل کا تعلق درایت سے ہے
ابونصر القشیریؒ فرماتے ہیں:
"تفسیر کا تعلق محض پیروی اور سماع سے ہے۔ اور تاویل کا تعلق استنباط سے ہے"
بعض علماء کا قول ہے کہ جو بات کتاب اللہ میں بیّن اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں معیّن واقع ہوتی ہے۔ اس کو تفسیر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس کے معنی ظاہر اور واضح ہو چکے ہیں اور کسی شخص کو بذریعہ اجتہاد اور بلا اجتہاد ان کے معانی کے ساتھ کرنے کا یارا نہیں رہ گیا ہے۔ بلکہ ان الفاظ کا حمل خاص اپنی معانی پر کیا جائے گا جو ان میں استعمال ہوتے ہیں۔ اور ان معانی کی حد سے تجاوز نہ ہوگا۔
اور تاویل وہ ہے جس کو معانی خطاب کے باعمل علماء نے اور آلات علوم کے ماہر ذی علم اصحاب نے استنباط کیا ہو۔
چند دیگر علماء جن میں علامہ بغویؒ اور کواشیؒ بھی ہیں کہتے ہیں:
"تاویل آیت کو ایسے معانی کی طرف پھیرنے کا نام ہے۔ جو اس کے ماقبل اور مابعد کے ساتھ موافق و مطابق ہوں اور آیت ان معنی کی متحمل ہو۔ پھر وہ معنی استنباط کے طریق پر بیان کئے جائیں اور کتاب و سنت کے مخالف نہ ہوں۔"
ب۔ تطابق کے قائل | ابوعبیدہؒ اور ان کے ہم خیال حضرات کا موقف یہ ہے کہ ان دونوں لفظوں کا ایک ہی معنی ہے۔ اور ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں۔ اس گروہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا:

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا۔ (فرقان: ۳۳)	اور یہ لوگ تمہارے پاس جو اعتراض کی بات لاتے ہیں۔ ہم تمہارے پاس اس کا معقول جواب بھیج دیتے ہیں اور بات کی بہترین تشریح کر دیتے ہیں۔

اور قرآن مجید کی مراد اور منشاء کو اللہ تعالیٰ نے تاویل کے لفظ سے بھی تعبیر کیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللّٰهُ۔ (آل عمران: ۷)	اور اس کی تاویل اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

ان آیات کی روشنی میں معلوم ہوا کہ تفسیر اور تاویل کا مفہوم و مدعا ایک ہی ہے۔ (باقی آئندہ)